توشی ہیکو ازتسو

اچھے اور برے کے لیے قرآنی الفاظ

(ترجمہ: محمد خالد مسعود)

بنیادی اخلاقی تضاد

"قل یاایھا الکفرون لااعبد ماتعبدون۔ ولا انتم عٰبدون ما اعبد ولا انا عابد ماعبدتم۔ ولا انتم عٰبدون ما اعبد۔ لکم دینکم ولی دین۔" (الکفرون: ۱-۶)

آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو! نہ تو میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرتا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی عبادت کرتے ہو۔ نہ میں تمہارے معبودوں کی پرستش کرنے والا ہوں اور نہ تم میرے معبود کی پرستش کرنے والے ہو۔ تمہارے لیے تمہارا دین اور میرے لیے میرا دین۔

ان آیات میں بہت ہی ڈرامائی انداز میں بتایا گیا ہے کہ اسلام نے مذہبی معاملات میں اپنے مخصوص رویے کی بنا پر اپنے اردگرد پھیلے ہوئے شرک سے کس طرح مکمل طور پر ناطہ توڑا۔ دوسرے الفاظ میں یہ اسلام کی طرف سے ان تمام چیزوں کے خلاف جو اس کے عقیدۂ توحید سے بنیادی طور پر مطابقت نہیں رکھتی تھیں، رسمی آزادی کا اعلان تھا۔ اخلاقی عمل کے میدان میں اس آزادی کے اعلان سے بہت ہی اہم نتائج مرتب ہوئے۔ اس اعلان سے ظاہر ہوا کہ آئندہ تمام انسانی اقدار ایک نہایت ہی قابل اعتماد معیار کے مطابق جانچی جائیں گی۔

قرآن کی رو سے تمام انسانی صفات دو باہم متضاد خانوں میں بانٹی گئی ہیں۔ یہ تقسیم اتنی

پکی اور اتنی پر معنی ہے کہ اسے اچھائی/برائی یا درست/غلط کے الفاظ سے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ ہم انہیں بالترتیب مثبت اخلاقی صفات اور منفی اخلاقی صفات کہیں گے۔ اس تقسیم کی بنیاد عقیدۂ توحید ہے' وہ واحد خدا جس نے تمام کائنات کو پیدا کیا۔ دیکھا جائے تو قرآن کریم میں انسان کی اخلاقی صفات کے بارے میں یہ دوئی ایک کلیدی تصور کے طور پر پوری کتاب میں موجود ہے۔ یہ بنیادی دوئی مومن اور کافر کے تضاد پر مبنی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو اسلام کے اخلاقی نظام کی ساخت بہت ہی سادہ ہے کیونکہ ایمان کے معیار سے جانچتے ہوئے ہم بہت آسانی سے یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کوئی شخص یا کوئی فعل کونسے خانے سے تعلق رکھتا ہے۔

اس تقسیم کی اہم بات یہ ہے کہ عربوں کے اخلاقی ارتقا پر اس اصول کا بہت دور رس اثر پڑا' کیونکہ اس کی رو سے پہلی مرتبہ ایک ایسا اخلاقی اصول سامنے آیا تھا جو ہمیشہ اور ہر جگہ پائے جانے کی وجہ سے اصول کہلانے کا مستحق تھا۔ اگرچہ مجموعی طور پر یہ اب بھی منضبط نہیں تھا لیکن جونہی کوئی شخص اللہ کی توحید اور رسالت کی صداقت پر ایمان لاتا تھا اس پر ایک مکمل عملی ضابطہ حیات نافذ ہو جاتا تھا۔ جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں' عربوں کی روحانی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایسا ہوا تھا۔ ہم جانتے ہیں دور جاہلیت میں اخلاقی اقدار کی ایک خاصی تعداد معروف تھی لیکن یہ اقدار بنیادی واضح اصول پر مبنی نہیں تھیں۔ تقریباً سب کی سب ایک قسم کے جذباتی اخلاقی رویے پر مبنی تھیں جس کی عقلی بنیاد نہیں تھی یا یوں کہیے کہ یہ اقدار ایک اندھے اور شدید جذبے کے طور پر نسل در نسل قبائلی میراث کے طور پر طرز زندگی کی حیثیت میں چلی آ رہی تھیں۔ اسلام نے پہلی مرتبہ عربوں کو یہ نظریاتی اخلاقی اصول مہیا کیے جن کی بنیاد پر وہ کسی صفت کی قدر متعین کر سکتے تھے۔

اخلاقی صفات کے بارے میں جس بنیادی دوئی کا ہم ذکر کر رہے ہیں' وہ قرآن کریم کی آیات میں کئی مختلف شکلوں میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک تو کافر اور مومن کی بنیادی متضاد دوئی کی شکل میں۔

"ھو الذی خلقکم فمنکم کافر و منکم مومن۔ واللہ بما تعملون بصیر۔" (التغابن: ۲)

وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا' سو تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مومن اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

"الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ اضل اعمالھم والذین امنوا وعملوا الصلحت وامنوا بما نزل علی محمد وھو الحق من ربھم۔ کفر عنھم سیاتھم واصلح بالھم ذلک بان الذین کفروا واتبعوا الباطل وان الذین امنوا اتبعوا الحق من ربھم۔ کذلک یضرب اللہ للناس امثالھم۔" (محمد: ۱-۳)

جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے راستے سے روکا خدا نے ان کے اعمال کالعدم کر دیئے۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کیے اور جو محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے' اس پر ایمان لائے' وہ اللہ کی طرف سے سچ ہے۔ اللہ ان کے گناہ دھو ڈالے گا اور ان کی حالت درست رکھے گا۔ یہ اس لیے کہ کافر تو غلط راستے پر چلے اور اہل ایمان حق راستے پر جو ان کے رب کی طرف سے آیا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح لوگوں کو ان کی مثال سے بیان کرتا ہے۔

کہیں یہ کافر اور متقی کے درمیان تضاد کی شکل میں بیان ہوئی ہیں۔ تقویٰ کے مذہبی معنی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

"وانه لتذکرہ للمتقین۔ وانا لنعلم ان منکم مکذبین۔ وانه لحسرہ علی الکفرین وانه لحق الیقین۔" (الحاقہ: ٤٨-٥١)

اور بے شک یہ متقیوں کے لیے نصیحت ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ تم میں سے بعض جھٹلانے والے ہیں۔ اور یہ کافروں کے لیے موجب حسرت ہے

اور یہ یقینی حق ہے۔

یا یہ مسلم اور مجرم کی دوئی کی شکل میں بیان ہوئی ہیں۔

"افنجعل المسلمین کالمجرمین۔" (القلم: ۳۵)

تو کیا ہم مسلمانوں کے ساتھ مجرمین کے برابر سلوک کریں؟

یا گمراہ اور ہدایت یافتہ کی دوئی کی شکل میں ذکر ہوئی ہیں۔

"ان ربک ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہ وھو اعلم بمن اھتدی۔" (النجم: ۳۰)

بے شک تمہارا رب خوب جانتا ہے کہ کون اس کے راستے سے بھٹکا ہوا اور وہ خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت یافتہ ہے۔

یا ایک ایسی دوئی کی شکل میں جس میں مثبت جانب جنتی لوگ یا اہل حق ہیں اور منفی جانب دوزخی لوگ یا بائیں بازو والے لوگ شامل ہیں۔

"لا یستوی اصحٰب النار واصحٰب الجنہ۔ اصحب الجنہ ھم الفائزون۔" (الحشر: ۲۰)

دوزخی لوگ اور جنتی لوگ برابر نہیں ہو سکتے۔ جنتی تو کامیاب ہیں۔

جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے انسانی صفت کی یہ بنیادی دوئی کئی اور شکلوں میں بھی بیان ہوئی ہے لیکن یہ سب کے سب ایمان اور کفر کے بنیادی تضاد کے دائرے میں اضافی تنوعات ہیں۔ بنیادی حقیقت ہمیشہ ایک ہے۔

بعض اوقات قرآن کریم میں انسانوں کو دو کی بجائے تین گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے، تاکہ ان دو انتہائی سروں کی درمیانی صورتوں کا ذکر بھی ہو سکے۔ یہ غیر مستقل درمیانی صورت جہاں ایمان اور کفر ایک دوسرے کے ساتھ بدلتے یا اکٹھے ہوتے نظر آتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی طرف اشارہ ہے جنھوں نے رسمی طور پر اسلام قبول کر لیا ہے اور مسلمان ہو گئے ہیں

لیکن اپنے ایمان میں پختہ نہیں ہیں۔

"ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا فمنھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات باذن اللہ ذلک ھو الفضل الکبیر"

پھر ہم نے یہ کتاب ان لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچائی جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے پسند فرمایا۔ ان میں سے بعض اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں' اور ان میں سے بعض درمیانے درجے کے ہیں۔ اور ان میں سے بعض اللہ کی اجازت سے نیکیوں میں بڑھنے والے ہیں۔ اور یہ بہت بڑا فضل ہے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس درمیانی صورت کا اشارہ زیادہ تر صحرا کے بدوی عربوں کی طرف تھا۔ اگرچہ شہری لوگوں پر بھی یہ بات صادق آتی تھی کہ وہ کفر اور ایمان کے درمیان متذبذب رہتے تھے۔ ڈوزی کا کہنا ہے کہ "عرب اپنی طبیعت میں مذہبی نہیں ہوتے' چنانچہ اسی وجہ سے ان کے اور اسلام قبول کرنے والوں کے درمیان بہت بڑا فرق رہتا ہے۔ آج کے بدوؤں کو ہی دیکھ لیجئے اگرچہ وہ مسلمان ہیں' لیکن وہ اسلام کے احکام پر زیادہ شدت سے عمل کے قائل نہیں۔ بہرکیف بدوؤں کے ہاں مذہب کے بارے میں وابستگی کا رجحان بہت مشکل سے نظر آتا ہے۔[1] قرآن بھی بار بار اس بات کی تائید کرتا ہے۔ ایک آیت میں مومن اور مسلم کے درمیان فرق کو واضح کرتے ہوئے' یہ بتایا گیا ہے کہ بدوؤں نے اسلام تو قبول کر لیا ہے' لیکن صرف اس بنیاد پر انہیں صحیح معنوں میں مومن شمار نہیں کیا جا سکتا۔

نہایت اہم آیات (سورہ ۴۹: ۱۴-۱۵) میں جہاں "مومن" اور "مسلم" میں فرق کو بہت صراحت سے واضح کیا گیا ہے' یہ بیان ہوا ہے کہ بدو جنہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے'

---

(۱) ڈوزی' ج ۱' ص ۴۳-۴۴

صرف اس بنیاد پر صحیح معنوں میں مومن نہیں کہلا سکتے۔[1]

بہرصورت یہ ماننا پڑے گا کہ کم ازکم معنویاتی لحاظ سے ایسے مشکوک مسلمانوں کا طبقہ بالآخر تذبذب کی مثال ہے۔ جن کے بارے میں ابھی یہ فیصلہ باقی ہے کہ وہ ایمان اور کفر کے دو انتہائی سروں کے درمیان کے خط پر کونسی جانب کھڑے ہیں۔ خود حضرت محمد ﷺ کے لیے بھی یہ واقعتاً ایک بہت ہی سنگین مسئلہ تھا کہ ایسے نیم مومنوں کا کیا کیا جائے۔ تاہم اس میں بھی شک نہیں کہ ان کو ایک مستقل خانے میں شمار نہیں کیا گیا۔ حضرت محمد ﷺ کے نزدیک وہ بالآخر مثبت قدر رکھنے والے طبقے کا ہی ایک حصہ تھے۔ دوسرے الفاظ میں وہ مومنوں کی ایک نامکمل شکل تھی' بالکل نامکمل لیکن پھر بھی اس لحاظ سے مومن کہ کم ازکم ظاہری طور پر وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے تھے اور اس لحاظ سے انہیں ان کے اعمال کے اجر سے محروم نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اس سے پہلے کہ ہم ان الفاظ کا تفصیلی تجزیہ پیش کریں جو قرآن کریم میں مثبت یا منفی طور پر مذہبی اخلاقی صفات کے حامل شمار کیے گئے ہیں' یہ بہتر ہو گا کہ پہلے ہم انسانوں کی ان دو بنیادی قسموں کی عمومی صفات کا جائزہ لے لیں جو ان صفات کے امتزاج سے پیدا ہوتے ہیں۔ سادہ لفظوں میں ہم پہلے زیر تحقیق مسئلے کی وضاحت کے لیے یہ سوال تشکیل دے لیں کہ قرآنی تعلیمات کی رو سے ایک انسان کو جنت کے حصول کے لیے کیا کرنا ضروری ہے اور وہ کونسے اعمال ہیں جن کی وجہ سے کوئی شخص لازمی طور پر دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ ایک مثالی

(۱) قالت الاعراب امنا. قل لم تومنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم. (الحجرات: ۱٤)
بدو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ ان سے کہہ دیجئے تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو ہم اسلام لے آئے اور ایمان ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔
انما المومنون الذین امنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ. اولئک ھم الصدقون. (الحجرات: ١٤)
مومن صرف وہ ہیں' جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور اللہ کے راستے میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا اور یہ لوگ سچے ہیں۔

مومن کی صفات کیا ہیں اور ایک کافر کی نمائندہ خصوصیات کیا ہیں؟ ہمیں امید ہے کہ متعلقہ قرآنی آیات کا تجزیہ کر کے ہم مذہبی اخلاقی صفات کی بنیادی قسموں کا تعین کر سکیں گے۔ یہاں ہم یہ بات بھی کہتے چلیں کہ عام طور پر قرآن کے اخلاقی مذہبی نظام کی بنیاد آخرت کے تصور پر ہے۔ یا یوں کہیے کہ محض موجودہ دنیا کی اخلاقیات بذات خود ایک مکمل نظام ہے بلکہ اُس کے برعکس اس کی ساخت نہایت جامع طریقے سے آئندہ آنے والی دنیا کے حساب سے متعین ہوتی ہے جو موجودہ دنیا کا انجام ہے۔ اسلامی نظام فکر میں آخرت کا جیتا جاگتا تصور انسان کے اخلاقی معاملات میں سب سے اعلیٰ اصول کی طرح کارفرما نظر آتا ہے۔

اصحاب جنت:

قرآن کریم کی سترویں سورت (المعارج) آیات ۲۲-۳۵ میں ان شرائط کا تفصیلی ذکر ہے جن کا پورا کرنا ہر اس شخص کے لیے لازم ہے جو ان لوگوں میں شامل ہونا چاہتا ہے جن کو جنت میں رہنے کی اجازت ہوگی۔ یہاں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ جنت کے انعام کا وعدہ صرف ایسے عبادت گذاروں کے لیے ہے جو:

(۱) پابندی سے اور صحیح طریقے سے نمازیں پڑھتے ہیں۔ (آیات: ۲۳، ۳۴)

(۲) جو اپنی دولت میں سے معلوم حصہ سائلین اور محتاجوں کو دیتے ہیں۔ (آیات: ۲۴-۲۵)

(۳) جو یوم قیامت کو حق سمجھتے ہیں۔ (آیت: ۲۶)

(۴) جو اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ (آیت: ۲۷)

(۵) جو اپنی عصمت کی حفاظت کرتے ہیں۔ (آیت: ۲۹)

(۶) جو اپنے وعدوں اور قسموں کو پابندی سے پورا کرتے ہیں۔ (آیت: ۳۲)

(۷) جو سچی گواہی دیتے ہیں۔ (آیت: ۳۳)

ان آیات میں اللہ کی مرضی حاصل کرنے کے لیے جو شرائط گنوائی گئی ہیں' ان میں دائمی عبادت' زکوٰۃ' یوم حساب پر عقیدہ' اللہ کا خوف' جنسی بے راہ روی سے احتراز' وفاداری اور سچائی شامل ہیں۔ پہلی دو کا تعلق عبادات سے ہے جو بعد میں فرائض کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں اور آگے چل کر روزہ اور عقیدۂ توحید کے ساتھ مل کر اسلام کے پانچ ارکان کی حیثیت اختیار کرتی ہیں۔ تیسری اور چوتھی شرط خوف کے اس مرکزی تصور سے تعلق رکھتی ہے جن کا ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔ چھٹی اور ساتویں شرط کا بھی ہم صدق کے حوالے سے گذشتہ باب میں تجزیہ کر چکے ہیں۔

تیرھویں سورت میں ان اسلامی صفات کا ذکر ہے جو ایک مومن کے لیے لازم ہیں' یہ صفات در حقیقت وہی ہیں جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔

"الذین یوفون بعهد الله ولاینقضون المیثاق. والذین یصلون ما امر الله به ان یوصل ویخشون ربهم ویخافون سوء الحساب. والذین صبروا ابتغاء وجه ربهم واقاموا الصلوه وانفقوا مما رزقنٰهم سراً وعلانیه ویدرون بالحسنه السیئه اولئک لهم عقبی الدار جنت عدن یدخلونها." (الرعد: ۲۰-۲۳)

جو لوگ اللہ سے اپنے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اس عہد کو توڑتے نہیں' جن چیزوں کو جوڑنے کا حکم دیا' ان کو جوڑتے ہیں' اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور سخت حساب سے ڈرتے ہیں' جو لوگ اپنے رب کی رضا کے لیے صبر کرتے ہیں۔ نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے جو دے رکھا ہے' اس میں سے خفیہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں۔ بد سلوکی کو حسن سلوک سے ٹال دیتے ہیں۔ نیک انجام انہی لوگوں کے لیے ہے۔ یہ ہمیشہ رہنے والی جنت میں داخل ہوں گے۔

غور کیجیے تو اس دوسری فہرست میں صبر کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں

پہلے بات ہو چکی ہے۔ صبر کا ذکر اس فہرست میں بھی ہے جہاں ایک مثالی مومن کی صفات بیان کی گئی ہیں۔

(۱) مرداور عورت جو اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کرتے (مسلم) ہیں۔

(۲) مرداور عورت جو ایمان لاتے (مومن) ہیں۔

(۳) مرداور عورت جو سچ بولتے (صادق) ہیں۔

(۴) مرداور عورت جو صبر کرتے (صابر) ہیں۔

(۵) مرداور عورت جو عاجزی اور انکساری سے کام لیتے (خاشع) ہیں۔

(۶) مرداور عورت جو خوشی سے زکوہ و صدقات ادا کرتے (مصدق) ہیں۔

(۷) مرداور عورت جو پابندی سے روزے رکھتے (صائم) ہیں۔

(۸) مرداور عورت جو اپنی عصمت کی حفاظت کرتے (حافظ لفروج) ہیں۔

(۹) مرداور عورت جو اللہ کا ہمیشہ ذکر کرتے (ذاکر) ہیں' اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مغفرت اور بہت بڑا انعام تیار کر رکھا ہے۔ (الاحزاب:۳۵)

اس فہرست کو مکمل کرنے کے لیے شکر اور توبہ کا بھی اضافہ کرنا ضروری ہے' اگلی آیت میں ان دونوں عناصر کو بہت نمایاں طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت میں بھی اصحاب جنت کی خصوصیات بتائی گئی ہیں۔ اس آیت میں ہر سچے مومن سے کہا گیا ہے کہ جب وہ چالیس سال کا ہو جائے تو اپنے اللہ سے یہ دعا کرے۔

"حتی اذا بلغ اشده وبلغ اربعين سنه قال رب اوزعنی ان اشكر نعمتک التی انعمت علی والدی وان اعمل صالحا ترضه واصلح لی فی ذریتی انی تبت الیک وانی من المسلمين۔ اولئک الذين نتقبل عنهم احسن ما عملوا ونتجاوز عن سئياتهم فی اصحب الجنه وعدالصدق الذی كانوا

یوعدون۔" (الاحقاف: ۱۵-۱٦)

یہاں تک کہ وہ جب جوانی کو پہنچ جائے اور چالیس سال کا ہو جائے تو اب رب سے دعا کرے کہ اے رب! مجھے اس پر مداومت دیجئے کہ میں آپ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی ہیں اور میں ایسے نیک کام کروں جس سے آپ خوش ہوں اور میرے لیے میری اولاد میں بھی صلاحیت پیدا کیجئے۔ میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں۔ میں فرماں بردار ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ہم ان کے اعمال کو قبول کریں گے اور ان کے گناہوں سے درگذر کریں گے' اس سچے وعدے کی رو سے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے۔

ان دو عناصر میں سے ایک یعنی شکر کا گذشتہ باب چہارم میں تفصیلی ذکر ہو چکا ہے۔ آئندہ باب میں بھی اس پر گفتگو ہو گی۔ جہاں تک دوسرے عنصر یعنی توبہ کا ذکر ہے' ہم پہلے یہ کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ گویا ایک طرف اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت ہے تو اس کے مقابلے میں یہ انسانی فعل ہے۔ گو کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ بہت سختی سے کام لیں گے جو برائی کرنے والوں کے ساتھ کسی طرح کی نرمی سے پیش نہیں آئیں گے۔ لیکن یہی خداوند کریم نہایت رحیم اور غفور بھی ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کا توبہ قبول کرنا بیان کیا گیا ہے۔

"ثم یتوب الله من بعد ذلک علی من یشاء والله غفور رحیم۔" (التوبہ: ۲۷)

پھر اللہ تعالیٰ جس کی چاہے توبہ قبول کر لے گا اور اللہ تعالیٰ بہت مغفرت کرنے والا' رحم کرنے والا ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ توبہ کا لفظ انسان کی نسبت سے استعمال ہو تو اس کا مطلب باز آجانا لیکن اگر اللہ کی نسبت سے استعمال ہو تو اس کا معنی معاف کر دینا ہے۔ انسان

جب اللہ تعالیٰ کی طرف مڑتا ہے تو یہ توبہ کہلاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ انسان کی طرف مڑتا ہے تو یہ رحمت اور مغفرت کہلاتا ہے۔ اس طرح بہت واضح طور پر اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان مڑنے کا ایک مربوط رشتہ ہے۔ اور یہ بات لفظ توبہ کے معنویاتی عمل میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بے انتہا اچھائی اور رحمت ایسے لوگوں کے لیے بھی ہے جو کسی طرح کا ایمان نہ رکھتے ہوں اور جو بت پرستی جیسے مکروہ ترین گناہ کا ارتکاب کر چکے ہوں۔ شرط صرف یہ ہے کہ وہ برائی کے راستے سے مکمل طور پر توبہ کر کے ایمان کے راستے پر آجائیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے بارے میں جو سونے کے بچھڑے کے بت کی پوجا کرنے لگے تھے' قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔

> "ان الذین اتخذوا العجل سینالھم غضب من ربھم وذلہ فی الحیوہ الدنیا وکذلک نجزی المفترین والذین عملوا السئیات ثم تابوا من بعدھا وامنوا ان ربک من بعدھا لغفور رحیم۔"
> (الاعراف: ۱۵۲-۱۵۳)
>
> بے شک جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش کی' ان پر اپنے رب کی طرف سے اس دنیوی زندگی میں ہی غضب اور ذلت پڑے گی اور جن لوگوں نے برے کام کیے اور پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے تو تمہارا رب اس کے بعد معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

تمام مومنوں کو بڑی سختی سے یہ حکم دیا گیا کہ وہ پورے اخلاص کے ساتھ توبہ کر کے اللہ کی طرف واپس آجائیں۔ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے پچھلے گناہوں کو جو جان بوجھ کر یا بھول سے کیے گئے ہوں' معاف کر دے۔ ایسا دل جو سچائی سے توبہ کرے' جنت کے انعام کا حق دار بھی ہو سکتا ہے۔

"یاایها الذین اٰمنوا توبوا الی الله توبه نصوحا۔ عسی ربکم ان یکفر عنکم سئیاتکم ویدخلکم جنٰت تجری من تحتها الانهٰر۔" (التحریم : ۵)

اے ایمان والو! تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو۔ ہو سکتا ہے' تمہارا رب تمہارے گناہ معاف کر دے اور تمہیں ایسے باغوں میں داخل کر دے جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

قرآن کریم میں توبہ کے اس مادے سے ایک اور شکل تواب بھی اکثر استعمال ہوئی ہے۔ جب انسان کے حوالے سے مذکور ہو تو اس سے مراد ایسا شخص ہے جو اکثر توبہ کرتا ہو اور جب اللہ کے حوالے سے مذکور ہو تو قدرتی طور پر اس کا معنی ہے وہ خدا جو گناہ گاروں کو معاف کر دینے کا عادی ہے جو اکثر عذاب سے ہٹ کر رحمت کا سلوک کرتا ہے۔ اسی طرح ایک اور لفظ اواب بھی آتا ہے' جس کا معنی بہت کثرت سے توبہ کرنے والا ہے۔ یہ ا و ب کے مادے سے مبالغے کی شکل ہے۔ اس کا مطلب ہے وہ شخص جو اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اللہ کی طرف لوٹ آتا ہے۔ تواب کے برعکس یہ لفظ جب اللہ کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اس کا معنی معاف کر دینے کا نہیں آتا۔ مثلاً مندرجہ ذیل دو آیات ملاحظہ ہوں۔

"وازلفت الجنه للمتقین غیر بعید۔ هذا ماتوعدون لکل اواب حفیظ۔ من خشی الرحمٰن بالغیب وجاء بقلب منیب۔ ادخلوها بسلم ذلک یوم الخلود" (ق : ۳۱-۳٤)

اور جنت متقیوں کے قریب لائی جائے گی' یہ ہے وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا کہ وہ ہر واپس لوٹنے والے کے لیے اور پابندی کرنے والے کے لیے ہے۔ جو شخص خدا سے بے دیکھے ڈرتا ہو اور رجوع کرنے والا دل لے کر آئے اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

ان آیات میں تقریباً انہی معنی میں ایک اور لفظ منیب بھی آیا ہے۔ یہ فعل اناب

کا اسم فاعل ہے جس کا مطلب ہے توبہ کر کے اللہ کی طرف لوٹنا۔ اس کے معنوں میں اضافی طور پر وقتاً فوقتاً کا مفہوم بھی شامل ہے۔ عرب ماہرین لغات کے نزدیک لفظ اناب کا اصلی معنی کوئی کام باری باری کرنا یا کسی شخص کی طرف بار بار آنا ہیں۔

اصحاب دوزخ:

اوپر ہم نے ان اہم صفات پر گفتگو کی جو جنت کے انعام کے مستحق لوگوں کی اسلامی خوبیاں ہیں۔ ان کی روشنی میں اب یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ دوزخ میں جانے والوں کی برائیاں کیا ہو سکتی ہیں۔ انہی کو قرآن کریم میں بعض اوقات بائیں بازو کے لوگ بھی کہا گیا ہے۔

"واصحٰب الشمال' مااصحٰب الشمال۔ فی سموم وحمیم وظل من یحموم' لابارد ولاکریم۔" (الواقعه: ٤١-٤٤)

اور بائیں بازو کے لوگ۔ یہ بائیں بازو کے لوگ کون ہیں؟ یہ آگ میں اور کھولتے پانی میں ہوں گے اور سیاہ دھوئیں کے سایے میں ہوں گے۔ جو نہ ٹھنڈا ہو گا نہ آرام دہ۔

اصحاب دوزخ وہ ہیں جن میں کوئی بھی مثبت صفت نہیں پائی جاتی۔ یا یوں کہیے کہ ان میں بعض خصوصیات ایسی ہیں جو اوپر بیان کردہ اچھی صفات کی بالکل برعکس ہیں۔ چنانچہ یہ بات بڑی آسانی سے کہی جا سکتی ہے کہ جہنم کی طرف جانے والے لوگوں میں کافر سب سے آگے ہوں گے۔

"وللذین کفروا بربھم عذاب جھنم و بئس المصیر۔" (الملک:٦)

اور جن لوگوں نے اپنے رب کا انکار کیا' ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور کتنی بری منزل ہے۔

کافروں کو آگ میں اس لیے پھینکا جائے گا کہ انہوں نے فسوق کا ارتکاب کیا

یعنی اس دنیا میں وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے رہے۔

"یوم یعرض الذین کفروا علی النار. اذھبتم طیبتم فی حیاتکم الدنیا واستمتعتم بھا. فالیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تستکبرون فی الارض بغیر الحق وبما کنتم تفسقون." (الاحقاف: ۲۰)

اور جس روز کفار آگ کے سامنے لائے جائیں گے کہ تم اپنی اچھی چیزیں دنیوی زندگی میں حاصل کر چکے اور ان کے مزے لے چکے۔ سو آج تم کو ذلت کی سزا دی جائے گی۔ اس وجہ سے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس لیے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔

دوزخ کی طرف جانے والے اس جلوس میں ایسے تمام لوگ شامل ہیں جو کسی نہ کسی طرح کافروں سے تعلق رکھتے ہیں یعنی ایسے تمام لوگ جو کفر کی امتیازی خصوصیات کے حامل ہیں۔ یہاں ہم چند ان آیات کا ذکر کریں گے جن میں ان منفی خصوصیات کا آگ کے عذاب کے حوالے سے واضح طور پر ذکر ہے۔

ان میں پہلے وہ لوگ ہیں جن کو تکذیب کی صفت سے یاد کیا گیا۔

"ثم انکم ایھا الضالون المکذبون لاکلون من شجر من زقوم فما لئون منھا البطون. فشربون علیه من الحمیم. فشربون شرب الھیم. ھذا انزلھم. ھذا انزلھم یوم الدین." (الواقعه: ۵۱-۵٦)

پھر تم اے گمراہو! اور جھٹلانے والو! تمہیں زقوم کے درخت سے کھانا ہو گا۔ پھر اس سے پیٹ بھرنا ہو گا۔ پھر اس پر کھولتا ہوا پانی پینا ہو گا۔ پھر پیاسے اونٹوں کی طرح پینا ہو گا۔ یہ ہو گی قیامت کے روز ان لوگوں کی دعوت۔

"یوم تمور السماء مورا وتسیر الجبال سیرا فویل یومئذ

للمكذبين الدين هم فى خوض يلعبون يوم يدعون الى
نارجهنم دعا هذه النار التي كنتم بها تكذبون افسحر هذا ام
انتم لاتبصرون اصلوها فاصبروا او لاتصبروا سواء عليكم
انما تجزون ما كنتم تعملون." (الطور: ۹-١٦)

جس روز آسمان تھرتھرائے گا اور پہاڑ چلنے لگیں گے تو اس روز جھٹلانے والوں کی بدبختی ہو گی جو بے ہودگی کے مشغلے میں مشغول رہے۔ جس روز ان کو دھکے دے کر دوزخ کی آگ کی طرف لایا جائے گا۔ یہی وہ دوزخ ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ کیا یہ جادو ہے یا تم کو اب بھی نظر نہیں آتی۔ اس میں داخل ہو جاؤ پھر اس کو تم برداشت کرو یا نہ کرو' تمہارے لیے دونوں برابر ہیں' جیسا تم کرتے تھے۔ یہ صرف ویسا ہی بدلہ ہے۔

اسی میں ظالم لوگ بھی ہیں جن کا سرسری ذکر اوپر آ چکا ہے۔ اور آئندہ بھی ان کے بارے میں گفتگو ہو گی۔ یہاں یہ کہنا کافی ہو گا کہ زقوم کا درخت جس کا ابھی ذکر ہوا ایسے لوگوں کا منظر رہے گا جو اللہ تعالیٰ کو جھٹلاتے ہیں۔ مندرجہ ذیل آیت میں ظالموں کے حوالے سے اس درخت کا ذکر خصوصی طور پر کیا گیا ہے۔

"اذلک خير نزلا ام شجره الزقوم انا جعلنها فتنه للظلمين انها
بشجره تخرج فى اصل الجحيم طلعها كانه رووس الشيطين
فانهم لاكلون منها فما لئون منها البطون ثم ان لهم عليها
لشوبا من حميم ثم ان مرجعهم لا الى الجحيم." (الصفت:
٦٢-٦٨)

بھلا یہ دعوت بہتر ہے یا زقوم کا درخت۔ ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لیے آزمائش بنایا ہے۔ یہ ایک درخت ہے جو قعر دوزخ سے نکلتا ہے۔ اس کے پھل ایسے ہیں جیسے سانپ کے پھن تو وہ لوگ اس سے کھائیں گے

پھر اسی سے پیٹ بھریں گے' پھر ان کو کھولتا ہوا پانی ملا کر دیا جائے گا۔ پھر ان کا آخری ٹھکانا دوزخ ہی ہو گا۔

معکبر (جو متکبر کا مترادف ہے) ایسا شخص ہے جو فخر و غرور کی وجہ سے اس قدر پھول گیا ہے کہ وہ قرآن کی تعلیمات کو ماننے سے انکار کرتا ہے۔ کبر کے تصور پر گفتگو آئندہ ہو گی۔

"ان الذین یستکبرون عن عبادتی سید خلون جھنم دٰخرین۔"

(المومن: ٦٠)

جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں' وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

"فادخلوا ابواب جھنم خلدین فیھا فلئیس مثوی المتکبرین۔"

(النحل: ٢٩)

سو جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ' اس میں ہمیشہ رہو۔ پس تکبر کرنے والوں کے لیے بہت برا ٹھکانا ہے۔

ان میں طاغی بھی شامل ہیں یعنی ایسے لوگ جو انتہائی سرکش ہیں اور بر خود غلط ہیں۔ اس لفظ کا معنویاتی تجزیہ آئندہ آئے گا۔

"للطغین مٰابا بثین فیھا احقابا لایذوقون فیھا برداً ولاشراباً الاحمیما وغساقا جزاء وفاقا انھم کانوا لایرجون حسابا وکذبوا بٰایٰتنا کذابا۔" (النسا: ٢١-٢٨)

دوزخ سرکش لوگوں کی گھات میں ہے' جس میں بے انتہا زمانوں تک پڑے رہیں گے' وہ نہ کسی ٹھنڈی چیز کا ذائقہ چکھیں گے نہ پینے کا۔ صرف گرم پانی اور پیپ پینے کو ملے گی۔ ان کو پورا پورا بدلہ ملے گا۔ یہ لوگ حساب کی توقع نہیں رکھتے تھے اور ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے تھے۔

فاجر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل نہیں کرتا یا اخلاقی ضابطے کی پابندی نہیں کرتا اور برے کام کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ نیک یعنی بار (جمع ابرار) لوگوں کے برعکس ہے۔

"ان الابرار لفی نعیم وان الفجار لفی جحیم یصلونها یوم الذین وما هم عنها بغائبین." (الانفطار: ۱۳-۱٦)

بے شک نیک لوگ آسائش میں ہوں گے اور فاجر لوگ دوزخ میں ہوں گے۔ وہ روز جزا اس میں داخل ہوں گے اور پھر کبھی اس سے باہر نہیں آئیں گے۔

اسی طرح قاسط وہ شخص ہے جو سیدھے راستے سے ہٹا ہوا ہے اور برے کام کرتا ہے۔ لفظ قاسط لفظ مسلم کا متضاد ہے۔

"وانا منا المسلمون ومنا القسطون فمن اسلم فاوئلک تحروا رشدا واما القسطون فکانوا لجهنم حطبا." (الجن: ١٤-١٥)

ہم میں سے بعض تو مسلمان ہو گئے اور بعض بے راہ ہیں۔ جو اسلام لے آئے انہوں نے تو بھلائی کا راستہ ڈھونڈ لیا اور جو بے راہ ہیں وہ دوزخ کا ایندھن ہیں۔

اسی طرح عاصی ہے یعنی جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا باغی ہے۔

"ومن یعص الله ورسوله فان له نار جهنم خلدین فیها ابدا." (الجن: ٢٣)

اور جو اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہیں مانتے تو یقیناً ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

پھر منافق ہے جو ظاہری طور پر نیک اور مومن ہے لیکن درحقیقت وہ ہٹ دھرم کافر ہے۔ لفظ منافق کی معنوی ساخت کے بارے میں آئندہ گفتگو ہو گی۔

"یا ایها النبی جاهد الکفار والمنٰفقین واغلظ علیهم وما وهم جهنم وبئس المصیر۔" (التحریم : ۹)

اے نبی! کفار سے اور منافقین سے جہاد کیجئے اور ان پر سختی کیجئے۔ ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور بہت بری منزل ہے۔

انہی میں مستہزی بھی ہے' جو اللہ کی وحی کا مذاق اڑاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے الفاظ کا مذاق دراصل کفر کا عمل ہے۔ قرآن کی رو سے یہ کفار کا مخصوص وطیرہ ہے کہ وہ پیغمبروں کا ہمیشہ مذاق اڑاتے آئے ہیں۔

"ذلک جزاء هم جهنم بما کفروا واتخذوا اٰیتی ورسلی هزوا" (الکهف : ١٠٦)

اور کہ ان کی سزا جہنم ہو گی' کیونکہ انہوں نے کفر کیا اور میری نشانیوں اور پیغمبروں کا مذاق اڑایا۔

اسی طرح خراص ہے جو شدید لفظوں میں قابل مذمت ہے۔ اس لفظ سے مراد ایسا شخص ہے جو اندازوں سے بات کرتا ہے' اس کی بات علم پر مبنی نہیں ہوتی۔ قرآن کی رو سے یہ وہ شخص ہے جو وحی کے بارے میں ہر طرح کی باتیں اپنے قیاس سے کہتا ہے۔

"قتل الخراصون الذین هم فی غمره ساهون۔ یسئلون ایان یوم الدین۔ یوم هم علی النار یفتنون۔ ذوقوا فتنتکم هذا الذی کنتم به تستعجلون۔" (الذریت : ١٠-١٤)

لعنت ہو بے سند بات کرنے والوں پر جو اپنی جہالت میں بھولے ہوئے ہیں۔ پوچھتے ہیں روز جزا کب ہو گا' جس دن وہ لوگ آگ سے آزمائے جائیں گے۔ اپنی آزمائش کا مزہ چکھو۔ تم اس کی جلدی مچایا کرتے تھے۔

آخر میں ایسے لوگ ہیں جو ایمان نہ رکھنے کی وجہ سے سماجی کاموں میں حصہ نہیں لیتے اور نہ کسی کی مدد کرتے ہیں' ان لوگوں کی شدید مذمت کی گئی ہے۔ جو اس بات کی تصدیق

کرتی ہے کہ غریب اور محتاج کی ضرورت کے وقت مدد کرنے کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔

"خذوہ فغلوہ ثم الجعیم صلوہ ثم فی سلسلہ ذرعها سبعون ذراعا فاسلکوہ انہ کان لایومن باللہ العظیم ولا یحض علی طعام المسکین فلیس لہ الیوم هٰهنا حمیم ولاطعام الامن غسلین لایاکلہ الا الخاطئون." (الحاقہ: ۳۰-۳۷)

اس شخص کو پکڑ لو۔ اسے طوق پہنا دو۔ پھر اسے دوزخ میں ڈال دو۔ پھر ایک ایسی زنجیر میں جکڑ دو جو ستر گز لمبی ہے۔ یہ شخص خدائے بزرگ پر ایمان نہیں لاتا تھا۔ اور غریب کو کھانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا۔ اس شخص کا آج کوئی حامی نہیں ہے۔ زخموں کے دھوون کے علاوہ اس کے لیے کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ اسے گناہگاروں کے علاوہ کوئی نہیں کھاتا۔

آخر میں ہم چند ایسی آیات کا ذکر کریں گے جن میں یہ منفی خصوصیات یکجا بیان ہوئی ہیں۔ کبھی ایک شخص میں جمع بتائی گئی ہیں۔ اور کبھی مختلف اشخاص میں۔

"القیا فی جهنم کل کفار عنید مناع للخیر معتد مریب الذی جعل مع اللہ الہ آخر فالقیٰہ فی العذاب الشدید." (ق: ۲۴-۲۶)

ہر اس شخص کو جہنم میں ڈال دو جو کفر کرنے والا اور ضد رکھنے والا ہے۔ نیکی سے روکتا ہے' حد سے گزرنے والا ہو اور شک پیدا کرنے والا ہو۔ وہ جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود تجویز کیا' ایسے شخص کو عذاب میں ڈال دو۔

اس آیت میں چار گناہوں کا ذکر ہے' جو دوزخ کے شدید عذاب کے انعام کے لیے بیان ہوئے ہیں:

(۱) کفر' (۲) لوگوں کو ایسے کاموں سے روکنا جو مذہبی طور پر اچھے قرار دیئے گئے ہیں' (۳) اللہ کی مرضی کی حدود کی خلاف ورزی کرنا' (۴) اللہ تعالیٰ کے سچ ہونے میں شک کا اظہار کرنا اور شرک اختیار کرنا۔

"فلا تطع المكذبين ودوا لو تدهن فيدهنون ولا تطع كل حلاف مهين هماز مشاء بنميم مناع للخير معتد اثيم عتل بعد ذلك زنيم ان كان ذا مال وبنين. اذا تتلى عليه آيتنا قال اساطير الاولين سنسمه على الخرطوم." (القلم: ۸-۱٦)

آپ ان جھٹلانے والوں کا کہنا نہ مانئے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ آپ ڈھیلے ہو جائیں تو یہ لوگ بھی ڈھیلے ہو جائیں۔ آپ کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو بہت قسمیں کھانے والا ہو' بے وقعت ہو' طعنے دینے والا اور چغلیاں کھانے والا۔ نیک کام سے روکنے والا' حدود کی خلاف ورزی کرنے والا' گناہ کرنے والا' سخت مزاج اور پھر حرام زادہ بھی ہو۔ اس سبب سے کہ وہ مال اور اولاد والا ہو۔ جب اس کے سامنے ہماری آیات تلاوت کی جائیں تو وہ کہے کہ یہ بے سند باتیں ہیں جو اگلوں سے نقل ہوتی آئی ہیں۔ ہم عنقریب اس کی ناک داغ دیں گے۔

اس آیت میں سات خصوصیات بیان ہوئی ہیں: (۱) تکذیب' (۲) بے سوچے سمجھے قسمیں کھانا یا دوسرے لفظوں میں سچائی کا دامن چھوڑنا' (۳) غیبت جو کذب کی مخصوص شکل ہے' (۴) نیکی سے روکنا' (۵) حدود کی خلاف ورزی' (٦) تند مزاجی جو جاہلیت کی خصوصیت ہے' (۷) اپنے مزاج میں ذلت پست خوئی اور نیچ ہونے کا اظہار یعنی ایسی خصوصیات جو قبائلی معاشرے میں غیر کی صفات سمجھی جاتی ہیں۔

ذیل کی آیت میں ایسے لوگوں کا اقرار جرم بیان کیا جاتا ہے' جو قیامت کے روز دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

"قالوا لم نک من المصلين ولم نک نطعم المسكين وكنا نخوض مع الخائضين وكنا نكذب بيوم الدين حتى اتينا اليقين." (المدثر: ٤٣-٤٧)

وہ کہیں گے' ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور غریب کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اور شغل کرنے والوں کے ساتھ شغل میں لگے رہتے تھے۔ ہم روز جزا کو جھٹلاتے تھے' حتیٰ کہ یقینی صورت ہم پر آگئی۔

اس اقرار جرم میں جو چار چیزیں فوری طور پر سامنے آتی ہیں' جن کی وجہ سے گناہ گاروں کو دوزخ کے عذاب کا سامنا ہے۔ (۱) فرض عبادت کا ادا نہ کرنا' (۲) زکوۃ نہ ادا کرنا' (۳) مذہبی امور کے بارے میں بے سروپا باتیں کرنا' (۴) تکذیب۔

اصحاب جنت اور اصحاب دوزخ کے امتیازی خصائص کے بارے میں ایک عمومی تصور قائم کرنے کے بعد اب ہم ان دو قطعی متضاد صفات کے بارے میں کلیدی لفظوں کے تفصیلی تجزیے کے لیے تیار ہیں۔ آئندہ ابواب کا موضوع یہی تجزیہ ہے۔

☆☆☆